© rasailojaraid.com



حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کچھ ہمارے سوچنے کی باتیں

سید جلال الدین عمری

۶ دسمبر ۹۲ء کو بابری مسجد شہید کر دی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے بیان کرنے کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں آگ سی لگ گئی، ہولناک فسادات کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا، قتل و خوں ریزی کا بازار گرم ہوا، غلط کاروں اور مفسدوں کے ساتھ سیکڑوں بے گناہ جانیں ضائع ہوئیں، ہزاروں افراد زخمی ہوئے، عصمتیں لٹیں، مکانات جلے، دکانیں نذرِ آتش ہوئیں، کاروبار تباہ ہوئے، اربوں اور کھربوں کا مالی نقصان ہوا، لوگ گھروں سے بے گھر ہو گئے، عبادت گاہوں تک کی حرمت پامال ہوئی اور وہ تباہ ہوئیں۔

فسادات کی ہولناکی اور جان و مال کی تباہی کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کو ۴۷ء یاد آگیا، کسی نے اسے ملک کی حالیہ تاریخ کا سیاہ ترین باب قرار دیا، کسی نے کہا کہ گاندھی جی کے قتل کے بعد یہ سب سے بڑا قومی حادثہ ہے، گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار تھے۔ انھیں قتل کر کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، بابری مسجد کو شہید کرنے والوں کا بھی یہی مقصد ہے۔ دونوں کے پیچھے ایک ہی ذہن کام کر رہا ہے۔

اس خوفناک صورتِ حال نے سوچنے سمجھنے والوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات ابھرنے لگے۔ کیا ہمارے اس ملک میں واقعی قانون کی حکم رانی ہے یا کوئی گروہ اپنی طاقت کے بل پر یہاں من مانی کر سکتا ہے اور اسے روکا نہیں جا سکتا؟ ملک کے سیاسی نظام کی بنیاد سیکولرزم اور جمہوریت پر رکھی گئی ہے کیا یہ بنیاد اب کمزور ہوتی جا رہی ہے اور اس کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہے؟ یہاں کی اخلاقی اقدار میں بقاءِ باہم اور رواداری بہت نمایاں سمجھی جاتی تھی، کیا اب یہ قدریں باقی نہیں رہیں اور ماضی کی داستان بن گئی ہیں۔ ملک کے بقاء، سالمیت، اتحاد اور یک جہتی کا جو نقشہ یہاں کے قومی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



رہنماؤں نے جو نقشہ اپنے سامنے رکھا تھا کیا اب وہ بدل رہا ہے اور ایک نیا نقشہ ابھر رہا ہے؟ جس ملک کو مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، کیا اب وہ باہم مل کر یہاں رہ سکیں گے اور انھیں فطری انداز میں پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل رہیں گے یا یہاں صرف ایک تہذیب ایک کلچر اور ایک خاص ذہن وفکر کو باقی رہنے کا حق ملے گا؟

ان ہنگاموں میں سب سے زیادہ مسلمان متاثر ہوئے۔ وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے باوجود سوچنے پر مجبور ہیں کہ بابری مسجد کا شہید ہونا ایک اتفاقی واقعہ یا جذباتی اور وقتی حادثہ ہے یا اس کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ اور گہری سازش ہے؟ عبادت گاہ تو دنیا کی سب سے محفوظ جگہ سمجھی جاتی ہے، اس کا احترام ہر شخص کرتا ہے، چاہے وہ کسی فرقہ اور گروہ کی عبادت گاہ ہو۔ جب وہ محفوظ نہیں رہی تو پھر کون سی چیز محفوظ رہ سکتی ہے؟ کیا ان کی جان، مال، عزت وآبرو اور مذہب وتہذیب کسی بڑے خطرہ سے دوچار ہے؟ ملک میں ان کے باعزت زندگی گزارنے کا کیا راستہ ہے؟ کیا اب مایوسی اور اندھیرا ہی ہے یا امید کی کوئی کرن بھی ہے؟

حالات ہزار خراب سہی لیکن مایوسی اور ناامیدی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ قوموں پر نازک سے نازک وقت آتا ہے اور کبھی بدترین حالات سے انھیں گزرنا پڑتا ہے۔ اسی میں ان کا امتحان ہے۔ جو قوم حالات کو ناسازگار اور ماحول کو ناموافق دیکھ کر گھبرائے، مایوس نہ ہو، ہمت نہ ہارے، ہوش وحواس باقی رکھے، حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور استقامت اور پامردی کا ثبوت فراہم کرے وہ کامیاب وکامران ہو کر ابھرتی ہے اور اپنا مقام آپ پیدا کر لیتی ہے۔ اس کے برخلاف حالات کی سنگینی جس قوم کو مضمحل اور ناتواں کر دے اور ہر چھوٹی بڑی آزمائش کو اپنے لیے موت کا پیغام سمجھ بیٹھے، اسے دنیا کی کوئی طاقت زندگی اور توانائی نہیں فراہم کر سکتی، وہ خود بخود ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھتی ہو وہ کبھی مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ سب سے بڑی قوت اسی کی ہے، اس سے بڑی کوئی قوت نہیں ہے۔ ساری قوتوں کا سرچشمہ اس کی ذات ہے۔ وہ جب چاہے ظلمت شب کو نور سحر میں تبدیل کر سکتا ہے اور موت کے سایوں میں زندگی کے آثار پیدا کرنا اس کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ حالات اگر تاریک ہیں تو اس کے حکم سے روشن اور تابناک بھی ہو سکتے ہیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیکن یہ کرشمے اس وقت ظاہر ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں جو ایمان و عمل کی دولت سے مالامال ہوں جو صرف ایک اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوں، جو ہر حال میں اس کے دامن سے چمٹے رہیں جو اس کے سوا کسی اور سے کوئی توقع نہ رکھیں اور اسی کو اپنا آخری ملجا وماویٰ تصور کریں۔

حالات سے گھبرا کر بعض لوگ ان کے فوری حل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بلا شبہ ان کا فوری حل ڈھونڈنا بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل اور پائیدار حل نہ ہوگا۔ موجودہ حالات کے وقوع میں ہماری طویل غفلت اور کوتاہی کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان میں تبدیلی لانے کے لیے طویل جدوجہد کرنی ہوگی۔ کوئی مختصر راستہ اس طویل جدوجہد کا بدل نہیں ہے۔

سب سے پہلے باشندگان ملک کے سامنے ہمارے صحیح تعارف کی ضرورت ہے۔ ہمارا تعارف ایک ایسی قوم کی حیثیت سے نہ ہو جس کا کوئی متعین نصب العین نہیں، کوئی خاص طریقۂ حیات اور خاص تہذیب و معاشرت نہیں ہے بلکہ بعض تاریخی عوامل اور کچھ رسوم وروایات نے اسے ایک قوم بنا دیا ہے اس کے برعکس اس کا تعارف ایک ایسی امت کی حیثیت سے ہو جو متعین اصول ونظریات کی مالک ہے جنھیں وہ حق وصداقت پر مبنی اور اپنے لیے اور ساری دنیا کے لیے فلاح ونجات کا ذریعہ تصور کرتی ہے، وہ مخصوص طرز فکر اور تصور حیات رکھتی ہے جو اسے جان، مال اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے جس سے وہ کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوسکتی، وہ ایک ایسی امت ہے جو اخلاقی اقدار کی حامل ہے جو اس کے نزدیک قابل احترام ہیں۔ اس کی تہذیب، معاشرت، سیاست ہر چیز کے پیچھے ارفع واعلیٰ اور بہت ہی پاکیزہ تصورات کارفرما ہیں۔

اس تعارف پر اگر طنز و تعریض کی جاتی ہے، قدامت پرستی اور دقیانوسیت کا طعنہ دیا جاتا ہے، عہد جدید کے تقاضوں سے بے خبری کا الزام عائد ہوتا ہے تو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا جائے، اس پر مطمئن کرنے کی جو بھی معقول کوشش ہوسکتی ہے کی جائے اور حکمت و دانائی کے ساتھ جو اعتراضات ہوں انھیں رفع کرنے کی اور جو شبہات ہوں ان کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ازالہ کی تدبیر کی جائے ۔

جن اعلیٰ اصول اور اقدارِ حیات پر ایمان کا ہم دعویٰ کرتے ہیں انھیں ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہونا چاہیے۔ ہماری سیرت ان کی ترجمان ہو، ہمارے اعمال ان کی گواہی دیں، ہمارے اخلاق سے ان کا ثبوت ملے، ہمارے معاملات ان کی تصدیق کریں اور ہمارے تعلقات سے ان کی ضو فشانی ہوتی رہے۔ ہم میں سے جو جس خاندان کا فرد ہے اس کے حقوق پہچانے، کسی کا پڑوسی ہو تو بہتر پڑوسی ہو، تاجر ہو تو امانت دار تاجر ہو، ملازم ہو تو فرض شناس ملازم ہو، مالک ہو تو ماتحتوں کے حقوق بخوشی ادا کرے، اس کی ذات سے نہ کسی کو اندیشہ ہو اور نہ کوئی خطرہ محسوس کرے۔ وہ ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والا اور ان کے رنج و راحت میں شریک رہے۔ دنیا کو یہ ثبوت ملے اور مسلسل ملتا چلا جائے کہ مسلمان رنج و راحت، دشواری اور آسانی کسی حال میں اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی نہیں کرتا، ماحول پر امن ہو یا چاروں طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہوں وہ اسلام کے قائم کردہ حدود کو پامال نہیں کرسکتا، فسادات میں جب معصوم اور بے گناہ مارے جاتے ہیں، عصمتیں لٹتی ہیں، املاک اور جائیداد نذرِ آتش ہوتی ہے اس وقت بھی وہ دوسروں کی جان، مال اور عزت و آبرو کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ اسی طرح وہ جہاں رہے اور جس حال میں رہے اسلام کی تعلیم کا پابند رہے اور اس کے ذریعہ دنیا کو اسلام کا درس ملتا رہا۔

اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کے لیے اپنے پاس خیر و فلاح کا پیغام رکھتی ہے۔ اس پیغام کو عام ہونا چاہیے۔ اس ملک کے سامنے یہ بات آنی چاہیے اور پورے زور اور قوت کے ساتھ آنی چاہیے کہ مسلمان اس ملک کے خیر خواہ ہیں اور خدا پرستی کی بنیاد پر اس کی تعمیر و ترقی چاہتے ہیں۔ مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان تصادم کو وہ غلط اور نا روا تصور کرتے ہیں اور ان کے درمیان اتحاد اور یگانگت کا جذبہ بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی کے حلیف یا کسی کے حریف نہیں ہیں بلکہ سب انسانوں کو ایک خدا کی مخلوق جانتے ہیں اور ان کی بھلائی کا پروگرام رکھتے ہیں۔ وہ اس ملک کے سامنے ظلم و زیادتی کو ختم کرنے والے اور عدل و انصاف کے علم بردار کی حیثیت سے آئیں، یہاں کی طبقاتی اور گروہی کشمکش کو ختم کریں، کم زور طبقات کو طاقت ور طبقات کے جور و ستم سے بچائیں اور وحدت انسانیت کا درس دیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قرآن مجید نے اختلاف و انتشار سے منع کیا اور کہا کہ اس سے تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے۔ آج اسی صورتِ حال سے ہم دوچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بعض بنیادی تصورات کے تحت متحد و منظم کیا تھا اور وہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر ابھری تھی، مخالف طاقتیں اس سے ٹکرائیں لیکن اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتی تھیں لیکن یہ تصورات ہی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں، چھوٹے چھوٹے مسائل نے ہماری صفوں میں بڑے بڑے شگاف ڈال دئیے ہیں اور ہم ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ بعض مسائل میں اختلاف فطری ہے، وہ اختلاف موجود ہے اور رہے گا لیکن ان میں زیادہ تر مسائل کی نوعیت جزئی اور فروعی ہے۔ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہی ہمارے درمیان پھوٹ کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ اس صورت حال کو ختم ہونا چاہئے۔ اس حقیقت کو ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ اس امت کا نفع و ضرر اور سود و زیاں ایک ہے۔ اس پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی کا مسلک معلوم کر کے نہیں آتی بلکہ امت کے فرد کی حیثیت سے آتی ہے۔ یہ امت اگر ابھرے گی بھی تو امت مسلمہ ہی کی حیثیت سے ابھرے گی۔ اس ملک میں ہمارے موجودہ مسائل کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بارہ کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہماری کوئی ایک آواز نہیں ہے ہماری ایک آواز ہوتی تو شاید ہمارے مسائل اتنے پیچیدہ نہ ہوتے۔

اس وقت سب سے اہم اور فوری مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے مختلف طبقات کے درمیان نفرت، تعصب اور تنگ نظری کی جو فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کا بھرپور مقابلہ کیا جائے، امن و امان بحال ہو، قانون کی حکمرانی ہو، عدل و انصاف ہو، ہر شخص کو برابر کے حقوق حاصل ہوں، ترقی کی راہیں سب کے لیے کھلی رہیں اور ہر ایک کو اپنی صلاحیت کے مطابق ملک و قوم کی خدمت کے مواقع حاصل ہوں۔ جو اختلافات ہوں انھیں سنجیدہ اور پرسکون ماحول میں حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ کسی ایک فرد یا گروہ کی نہیں بلکہ پورے ملک کی ضرورت ہے۔ یہ اس ملک کی اندرونی آواز ہے جسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس وسیع و عریض ملک میں ایک چھوٹا سا طبقہ ہے جو یہاں کی فضا کو مکدر کرنا چاہتا ہے اور کر رہا ہے۔ ہنگاموں کو ہوا دیتا اور اس میں شریک ہوتا ہے۔ اس طبقہ کا کوئی دین دھرم یا کوئی اخلاق نہیں ہے۔ اس کے پیچھے جو ناپاک مقاصد ہیں ان سے دنیا واقف ہے۔ اس طبقہ کے افراد ہر جگہ اور ہر قوم میں مل جائیں گے۔ لیکن اس ملک کی بہت بڑی آبادی امن



© rasailojaraid.com